ایک ہمہ جہت شخصیّت

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ



- صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی
- سعید احمد سعیدی





حضرت ضیاء الامت رح ایک ہمہ پہلو شخصیت

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

مکتبہ جمال کرم



9۔ مرکز الاویس (سٹار ہوٹل) دربار مارکیٹ۔ لاہور فون: 7324948

نام کتاب ...... حضرت ضیاء الامتؒ ایک ہمہ پہلو شخصیت

مصنف ...... صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

اشاعت اول 2003

تعداد ...... گیارہ سو

زیر اہتمام ...... ایم احسان الحق صدیقی

ناشر ...... مکتبہ جمال کرم، لاہور

قیمت 10

ملنے کے پتے

(1) ضیاء القرآن پبلی کیشنز گنج بخش روڈ لاہور

(2) ضیاء القرآن پبلی کیشنز 14 انفال پلازہ، کراچی

(3) فرید بکسٹال، اردو بازار لاہور

(4) احمد بک کارپوریشن عالم پلازہ کمیٹی چوک، راولپنڈی

(5) مکتبہ المجاہد دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ سرگودھا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ کے سر میں دماغ عالمانہ، سینے میں دل صوفیانہ اور ہاتھ میں قلم ادیبانہ تھا، ان کی تفسیر "ضیاء القرآن" اور سیرت "ضیاء النبی" سے علم جھلکتا ہے۔ ان کی صحبت سے تصوف جھلکتا تھا اور ان کے نوک قلم سے ادب برستا ہے۔ ان کا اسلوب تصنیف محققانہ، طرز زیست قلندرانہ اور انداز نگارش ہمیشہ ساحرانہ رہا۔ جو نرا عالم ہو وہ خشک مزاج ہوتا ہے۔ مگر پیر صاحبؒ انتہائی رقیق القلب تھے، جو محض صوفی ہو وہ گوشہ گیر ہوتا ہے مگر پیر صاحبؒ معانی ومعارف سے عشق کرتے تھے۔ عالموں، صوفیوں اور دیبوں کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض عالم وہ ہوتے ہیں جو فتوے پر انحصار کرتے ہیں۔ تقوی اختیار نہیں کر پاتے، بعض کتاب خوان ہوتے ہیں صاحب کتاب نہیں ہوتے۔ بعض جزائیات کے ماہر ہوتے ہیں مگر کلیات سے قاصر رہتے ہیں۔ بعض کتابی عبارتوں سے آشنا ہوتے ہیں زمانی ضرورتوں سے آگاہ نہیں ہوتے۔ بعض مجادلے میں مگن رہتے ہیں مطالعے سے لگن نہیں رکھتے۔ بعض شعلہ مقالی سے کام چلاتے ہیں۔ تلقین غزالی کو نہیں آزماتے اور بعض دیوان ومکتب کے محض دربان ہوتے ہیں۔ بزم

کے محرم اور راز داں نہیں ہوتے۔ اسی طرح کچھ صوفی تسبیح کے دانے کے ماہر تو ہو تے ہیں دل کی دنیا بدلنے پر قادر نہیں ہوتے کچھ اوراد و وظائف میں لگے رہتے ہیں تاہم معارف و لطائف سے پرے رہتے ہیں۔ کچھ شعبدے تو دکھاتے ہیں معجزے رونما نہیں کر پاتے۔ کچھ اپنا حلقہ بیعت تو وسیع کر لیتے ہیں قرینہ تربیت نہیں رکھتے۔ کچھ وجد و رقص کا پرچار کرتے ہیں۔ تزکیہ نفس پر اصرار نہیں کرتے۔ کچھ لمبی عباؤں میں ملبوس رہتے ہیں۔ قلندرانہ اداؤں سے محروم ہوتے ہیں۔ کچھ ویرانوں کو جا کر بساتے ہیں انسانوں سے نباہ نہیں کر پاتے اور کچھ فقط مزاروں پر چراغ جلاتے ہیں دلوں کف جوت نہیں جگاتے، اور ایسے ہی ادیبوں کا معاملہ ہے ان میں ایسے بھی ہیں جو لفظ و حرف تو رکھتے ہیں ان کا صحیح مصرف نہیں جانتے۔ جو لفظوں کا ابلاغ تو کر سکتے ہیں دلوں کا سراغ نہیں پا سکتے۔ جو قلم تو زود رکھتے ہیں۔ موضوعات بے کار چنتے ہیں۔ جو کاغذی تصویر تو اچھی بناتے ہیں روحانی تاثیر سے محروم رہتے ہیں، اور نظم و نثر سے ہنگامہ تو اٹھا دیتے ہیں لیکن اصرار حیات اور رموز کائنات سے پردہ اٹھانے کی صلاحیت سے عاری ہوتے ہیں۔ حضرت پیر صاحبؒ کی شخصیت ہمہ پہلو تھی وہ بیک وقت عالمانہ جلال، صوفیانہ جمال اور ادیبانہ کمال کے حامل و وارث تھے۔

ان کا علم تصوف کی چاشنی اور ان کا تصوف علم کی روشنی سے مالا مال تھا۔ اور ان کا اسلوب نگارش دونوں لذتوں سے بھرپور۔

عہدِ رواں کی یہ ایک خوبی بھی ہے اور بہت بڑی خامی بھی، کہ وہ ''یک چشم'' ہے اگر کوئی دینی رنگ رکھتا ہے تو دنیوی آہنگ سے بے خبر ہے، کوئی قدیم سے جڑا ہوا ہے تو جدید سے کٹا ہوا ہے کوئی خبر رکھتا ہے تو نظر سے محروم ہے کوئی رازی کا فلسفہ جانتا ہے تو رومی کا لہجہ نہیں رکھتا، فضائے مکتب اور فیضانِ نظر کے درمیان وسیع اور مہیب فاصلہ پیدا ہو چکا ہے اور یہ کوئی اچھی علامت نہیں اس ''یک چشم'' عہد کا یہ تحفہ ہے کہ ''یک رخا'' انسان پیدا ہو رہا ہے جس کے باعث مسائلِ حیات سلجھنے کے بجائے الجھتے چلے جا رہے ہیں، یہ درست ہے کہ سپیشلائزیشن ہونی چاہیے لیکن ''پارٹیشن'' (PARTITION) کے بجائے ربط و تعاون بھی ہونا چاہیے، اسی طرح مختلف شعبوں میں POLARIZATION کی جگہ (CO-OPERATION) اور COHESION ہونا چاہیے تھا، یعنی تامل و توافق اور تفاہم و تعاون، یہی امتزاج زندگی کا حسن اور دنیا کی خوبصورتی ہے۔ تا کہ فرد اور معاشرہ ایک دوسرے سے اجنبی رہ کر اپنے اپنے ہنر نہ آزمائے۔ بلکہ دوست بن کر اپنے جوہر دکھائے۔ سائنسدان ہے تو مذہب سے لاتعلق، دینیات کا عالم ہے تو سائنسی رجحانات سے بیگانہ، سیاسیات کا آدمی ہے تو اخلاقیات سے بے خبر۔ معلم اخلاق ہے تو علوم کے نئے آفاق سے ناآشنا، ماہرِ معاشیات ہے تو انسانی نفسیات سے بے تعلق اور فلسفہ دان ہے تو تمدنی علوم سے بے بہرہ اور گر کوئی ادیب ہے تو اس

کی خطیب سے چشمک ہے، غرضیکہ ہر شعبے میں ایک طرح کا تصادم ہے کوئی جذبہ تفاہم نہیں اگرچہ علامہ اقبال نے قصہ قدیم و جدید کو دلیل کم نظری کہا ہے لیکن یہ کم نظری ایک واقعہ ہے ناخوشگوار واقعہ!

جس طرح شعوب وقبائل کو اسلام قبول (OWN) کرتا ہے مگر انہیں بنیاد فخر و مباہات اور ذریعہ مخاصمت و منافرت قرار دینے کے خلاف ہے۔ اسی طرح علوم وفنون کے شعبوں کی تقسیم اپنی جگہ لیکن اس سے انسانی شخصیت ٹکڑوں میں بٹ جائے اور ہر ایک اپنے ہی خول میں سمٹ جائے تو یہ نتیجہ اور جذبہ پسندیدہ نہیں، بلا شبہ آدمی کے لئے نقطہ کمال اور اس کی شناخت کے لئے مضبوط اور معتبر حوالہ ایک ہوتا ہے مگر اسے باقی معاملات سے الگ تھلگ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ مکتب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز تھا کہ ایک ہی معلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے ایک نصاب قرآن مجید تھا اور مکتب (مسجد نبویؐ) کی ایک ہی چھت کے نیچے مختلف شعبوں کے ماہرین اور مختلف صفات کے حاملین لوگ تیار ہو رہے اور تربیت تھے،، صداقت، عدالت، سخاوت اور حکمت کا درس لیا جا رہا تھا، مفسر، معلم، مجاہد، صوفی اور حکمران تیار ہو رہے تھے، راہنما، کارکن، مالی معاونؓ جان نثار، خطیب، سفیر، سپہ سالار اور قاضی بن رہے تھے، عبداللہ بن عباسؓ جیسے ''ترجمان القرآن'' اور ''حبر الامہ'' عبداللہ بن مسعودؓ جیسے محدث معاذ بن جبلؓ جیسے مجتہد، ابوذر غفاریؓ جیسے ''مسیح الامہ'' ابوعبیدہ بن الجراحؓ جیسے ''امین الامہ'' ابوہریرہؓ جیسے صوفی خالد

بن ولیدؓ جیسے ''سیف اللہ'' ابی ابن کعبؓ جیسے قاری'' اور زید بن ثابتؓ جیسے ''فقیہ'' ایک ہی آغوش کے پروردہ اور ایک ہی مرشد کامل کے فیض یافتہ تھے۔

آج کا ''فرمان امروز'' یعنی ORDER OF DAY بھی یہی ہے کہ اسلام جس میدان میں کھڑا اور جو معرکہ لڑ رہا ہے اس کے داعی اور مبلغ، نام لیوا اور پیروکار، حامی اور غمگسار قدیم و جدید کے رازدان اور ماضی و حال کے رمز شناس ہوں۔

اس باب میں علامہ اقبالؒ کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ جدیدوں سے بڑھ کر جدید ہونے کے باوجود ''فکر قدیم'' کے پختہ کار شارح اور با اعتماد مفسر تھے۔ وہ یہاں گورنمنٹ کالج میں پڑھتے، فلسفہ ان کا موضوع تھا، آرنلڈ کے خصوصی شاگرد رہے، بار ایٹ لاء کی ڈگری لندن سے لی۔ ڈاکٹریٹ میونخ یونیورسٹی، جرمنی سے کی واپس آ کر فلسفہ کے پروفیسر بنے، لندن میں تیسری گول میز کے خاتمے پر وطن واپس آتے ہوئے شہرہ آفاق فلسفی اور نظریہ واقعیت زبان کے امام پروفیسر برگسان سے ملے، اٹلی میں مسولینی سے صحبت ہی، گوئٹے کو پڑھا نٹشے کا بغور مطالعہ کیا، انہیں نپولین کی شخصیت سے دلچسپی رہی، مغرب کو خوب دیکھا، بھالا اور پرکھا، کھنگالا، مغربی افکار کو کھلی آنکھوں اور کھلے ذہن سے دیکھا اور پڑھا، اور مغرب کے بنیادی ماخذ تک رسائی حاصل کی۔ سب کچھ دیکھ چکنے کے بعد وہ کسی مرعوبیت کا شکار نہیں ہوئے اور نہ ہی مغرب کے علم و تمدن سے مبہوت ہوئے۔ بلکہ ایک سچے مسلمان اور

راسخ العقیدہ شخص کی طرح سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

چونکہ حضرت پیر محمد کرم شاہؒ خود کو اقبالؒ کا خوشہ چین کہتے رہے تو ان کی شخصیت میں بھی وہ رنگ واضح طور پر جھلکتا ہے جو ایک سنجیدہ اور متین مسلمان میں ہونا چاہئے، یعنی نہ قدامت ایسی کہ عجوبہ لگے اور نہ جدت ایسی کہ مضحکہ نظر آئے، اقبالؒ کی پرورش جدید طرز پر ہوئی اور وہ قدیم سے جڑے رہے، پیر صاحب کی تربیت حلقہ قدیم میں ہوئی مگر وہ جدید افکار و رجحانات سے پوری طرح باخبر رہے ان کی شخصیت کے کسی بھی پہلو سے اور ان کی زندگی کے کسی بھی زاویے سے یہ نہیں جھلکتا کہ وہ لکیر کے فقیر تھے، نہ گفتگو میں، نہ اسلوب تحریر میں، نہ طریقہ تدریس میں نہ نصاب تعلیم میں اور نہ انداز تصنیف میں۔ بالعموم یہ کہا جاتا ہے کہ "بڑے لوگ" صرف بڑے شہروں میں ہوتے ہیں اگرچہ یہ مفروضہ سرے سے غلط ہے تاہم اس کے ابطال کے لئے پیر صاحب قبلہؒ کی شخصیت بہت بڑی دلیل ہے، بڑا ہونے کے لیے "بڑا قصبہ" نہیں "سچا جذبہ" درکار ہوتا ہے۔ روشنی کے لئے "گھی کے چراغ نہیں" "روشن دماغ" مطلوب ہوتا ہے۔ منزل پانے کے لئے "سفارش اور اپروچ" کی نہیں "اونچی سوچ" کی ضرورت ہوتی ہے۔ ناموری کے لئے "دارالحکومت" میں قیام لازمی نہیں، "خداداد ذہانت" کام آتی ہے نیک نامی اشتہار سے نہیں "حسن کردار" سے ملتی ہے۔ بقائے دوام "پبلسٹی"

کافی نہیں ''نیک نیتی'' ضروری ہے اور کسی اعلیٰ مقصد کے لئے ''کوچہ اقتدار کا پھیرا'' لازم نہیں یہ ''بھیرہ'' میں بیٹھ کر بھی پورا ہو سکتا ہے۔ ہمارے ممدوح پیر صاحبؒ عالم تھے ''فتویٰ نگار نہیں'' بلکہ ''تقویٰ شعار'' وہ پیر تھے، مگر ''کشف و کرامات'' والے نہیں بلکہ ''علمی کمالات'' والے۔ وہ مصنف تھے مگر پیشہ ور نہیں بلکہ فکری دیانت ارور دینی غیرت سے متصف۔

یہ حسین امتزاج بہت کم لوگوں کے نصیب میں آتا ہے، میں جب بھی پیر صاحبؒ سے ملا، ان میں عالمانہ وقار تو تھا ہی، صوفیانہ انکسار بھی صاف نظر آیا، ان کے لب و لہجہ میں تقدس تو تھا مگر تصنع ہرگز نہیں، ان کے مزاج میں تلطف تو واضح تھا، تکلف بالکل نہیں، ان کی وضع قطع میں بردباری تو تھی ریاکاری قطعاً نہیں، ان کے لباس میں نفاست جھلکتی تھی امارت نہیں ٹپکتی تھی اور ان کی تقریر میں داعیانہ رنگ تو تھا مناظرانہ آہنگ نام کو نہیں، مجھے ان کی شخصیت کے دو پہلوؤں نے بے حد متاثر کیا، ایک تو مسلک اعتدال جو ذہنی و فکری توازن کی دلیل ہے اور دوسرے ان کی خوبصورت نثر نگاری، جس سے ہمارا روائتی دینی حلقہ یکسر محروم ہے، ایک اچھے ادیب اور کامیاب نثر نگار کی تحریر میں جو بھی اجزائے حسن ہوتے ہیں وہ پیر صاحب کے اسلوب نگارش میں موجود تھے، اور قوت استدلال اس پر مستزاد اور نہ ہمارے زیادہ تر مولوی صاحبان ''علم لدنی'' پر انحصار کرتے ہیں اور ہمارے پیر صاحبان ''تعویزات و حکایات'' پر گزارا۔

یوں تو ''ضیاء القرآن، ضیاء النبی'' اور دوسری کتابوں میں پیر صاحب کا زورِ قلم اور دل آویز اسلوب جا بجا نظر آتا ہے اور ''ضیائے حرم'' کے اداریے ادب عالیہ کے شہ پارے ہوتے تھے، مگر اس وقت میرے سامنے آپ کا ایک مضمون ہے، جس کا عنوان ہے ''اقبال کا نظریہ محبت'' ذرا جادو نگاری ملاحظہ کیجئے۔

''انہی الفاظ میں ایک بہت مظلوم اور نہایت ستم رسیدہ لفظ ''محبت'' ہے۔ ہمارے کرم فرما ہمیں یہ یقین دلا رہے تھے کہ محبت کی کل کائنات بس اتنی ہے، رنگ زردہ و آہ سرد و چشم تر ہمارا قیس جستجوئے لیلیٰ میں صحرا نورد نہیں تھا، بلکہ محض وقف جمود ہو کر رہ گیا تھا، ہمارے فرہاد سے تیشہ خارا شگاف چھن چکا تھا، بڑے بوڑھے اسے یہی نصیحت کر رہے تھے کہ میاں اب اپنی زبان کے تیشہ فولاد کو حرکت دو اور کیخسرو کی عیاری و مکاری کی مرثیہ خوانی کیا کرو، اور مرزا نوشہ نے تو چشم بدور یہاں تک فرما دیا تھا:

عشق نے غالب کو نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

گویا کسی مقصد کے لئے خود فراموشی اور مراق کے مارے بے ہوشی میں کچھ فرق نہ تھا، افق پر خوفناک قسم کا اندھیرا تھا، کہ عشق کا محرم اپنے ساقی کی نگاہ کرم سے اپنے کندھوں پر پورا میخانہ محبت اٹھائے جلوہ افروز ہوا تو خود فراموش زندوں کو ہوش آنے لگا۔

ہزار رستے ہیں اہل دل کے

سعید احمد سعیدی
(فاضل بھیرہ شریف)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کسی بھی مملکت کی بقا، کسی بھی معاشرے کا حسن اور کسی بھی تمدن کا جمال ہمیشہ تین قسم کے افراد کا مرہون منت ہوتا ہے یعنی شہید، محسن اور اہل جمال اپنے جسم خاکی سے ٹپکنے والے قطرہ قطرہ سے توحید و رسالت کی شہادت اہل شہادت کا نصیبہ ہے یہی وجہ ہے کہ

جب تک جلیں نہ دیپ شہیدوں کے لہو سے
سنتے ہیں کہ جنت میں چراغاں نہیں ہوتا

اہل احسان کی حیات مستعار کے لحہ لحہ سے حسن ہی حسن کے جلوے چشم وخرد کو خیرہ کرتے نظر آتے ہیں کبھی کردار کا حسن تو کبھی پیار کا حسن، کبھی علم کا حسن تو کبھی عمل کا حسن کبھی قربت کا حسن تو کبھی معرفت کا حسن ان کی زندگی کا یہی Moto یہی ہوتا ہے۔

جو شخص بھی افراد میں نفرت کرے تقسیم
اس شخص کو اخلاص و محبت کی سزا دو

جب کہ تمدن میں جمال کی پہچان اہل جمال کی وجہ سے ہوتی ہے کیونکہ

حسن جس رنگ میں ہوتا ہے جہاں ہوتا ہے
اہل دل کے لئے سرمایہ جاں ہوتا ہے۔

اگر اہل شہادت میسر نہ آئیں تو سرحدیں غیر محفوظ، اہل احسان کا وجود نا پید ہو جائے تو معاشرہ خانہ جنگی کا شکار اور اگر اہل جمال اٹھ جائیں تو تمدن کی خوبصورتی کا خدا حافظ جس مملکت، معاشرہ اور تمدن کو یہ تینوں کردار مل جائیں تو ان کی خوش قسمتی کے کیا کہنے کبھی جب قدرت فیاضی پر آتی ہے تو یہ ہر سہ خصائص ایک ہی پیکر میں سجا دیتی ہے اور زمانہ دیکھتا رہ جاتا ہے کچھ ایسی ہی کیفیت ''ضیاء الاُمت'' علیہ الرحمتہ کے پیکر دلربا کی ہے۔

آپ شہید میدان کارزار نہ سہی کشتہ عشقِ سرکار تو ہیں میدان جنگ میں جانے والا مجاہد اپنی زندگی قربان کر کے حیات سرمدی سے سرفراز ہوتا ہے تو جہاد اکبر کرنے والے مجاہد کو بھی حیات طیبہ کی بشارت ملتی ہے۔ عشق سرور کونین ﷺ میں ضیاء الامت علیہ الرحمتہ کی آنکھ ہر وقت نم رہتی اور جب کبھی محبوب حجازی کا مبارک ذکر ہوتا، تو آنسو کے موتی آنکھوں کی سیپیوں سے چمکتے نظر آتے اور یوں زبان حال سے اعلان کرتے محسوس ہوتے کہ

جن کی آنکھو میں ہوں آنسو انہیں زندہ سمجھو
پانی مرتا ہے تو دریا بھی اتر جاتے ہیں

علامہ اقبال نے امت مسلمہ کی موت کا سبب بے حضوری کو قرار دیا ہے جب کہ ضیاء الامت کی پاکیزہ زندگی کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کرنے والے یہ شہادت دینگے کہ آپ کو دائمی حضوری کا شرف حاصل تھا اور آپ علیہ رحمت ہکا

عشق نہ شریعت مخالف تھا نہ طریقت دشمن ملکہ اس سے عقل و دانش اور آ گہی کے چشمے پھوٹتے نظر آتے تھے آپ غیاب و جستجو کی حامل عقل بھی رکھتے تھے اور حضور و اضطراب سے بہرہ ور عشق بھی۔

جہاں تک مرتبہ احسان کا تعلق ہے تو ضیاء الامت کی ساری زندگی سراپا احسان نظر آتی ہے۔ کبھی زمانے کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے "دارالعلوم محمدیہ غوثیہ" کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز کیا جارہا ہے تو کبھی امت کے بکھرے ہوئے دانوں کو افراط و تفریط سے محفوظ رکھنے اور ہدایت ربانی سے کما حقہ فیض یاب ہونے کے لئے "تفسیر ضیاء القرآن" کا نسخہ پیش کیا جارہا ہے۔ کہیں منکرین سنت کو لگام دینے کے لئے "سنت خیر الانام" کا تازیانہ استعمال کیا جارہا ہے۔

تو کہیں ملک کو نام نہاد جمہوریت اور غیروں کی کاسہ لیسی کی ذلت سے محفوظ رکھنے کے لئے ضیاء حرم میں "سر دلبراں" کی مومنانہ فراست کا اظہار کیا جارہا ہے کہیں روح محمد ﷺ ان کے بدن سے نکال دو" کی عالمی سازش کا جواب عشق افزاء اور جنوں پرور "ضیاء نبی ﷺ کی تصنیف لطیف سے دیا جارہا ہے تو کہیں ان کی طباعت و اشاعت کے لئے "ضیاء القرآن پبلی کیشنز" کا وجود عمل میں لایا جارہا ہے کہیں نبوت کے محل کو مسمار کرنے کی عالمی قادیانی سازش کو بے نقاب کرنے کے لئے عالمی عدالت میں دلائل و براہین پیش کرکے ختم نبوت کے بے مثال محل پر ختم نبوت کا جھنڈا گاڑا جارہا ہے تو کہیں ملکی عدالت میں بے مثال تاریخی فیصلے رقم کرکے اپنی فقاہت و بصیرت کا لوہا منوایا جارہا ہے کہیں سود کی لعنت سے پاک بنک المال اسلامی کو قیمتی آراء سے نوازا جارہا تو کہیں اتحاد بین المسلمین کے لئے کامیاب کوششیں کی جارہی ہیں۔

جہاں جہاں گزرے جہاں جہاں ٹھہرے
وہی مقام محبت کی جلوہ گاہ بنے

اہل جمال کے طبقہ سے وابستہ شخصیات تمدن کو جمال آشنا کر کے خوشنما اور دل ربا بنا دیتی ہیں اور رہتی دنیا تک ان کے تجدیدی کارنامے ''ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما'' کا رراگ الاپتے نظر آتے ہیں۔

جدید و قدیم کی خصوصیات سے مزین نصاب تعلیم اور جامعہ کی نظر افروز بلڈنگ آپ کے ذوق کی غماز ہے

جامعہ الازہر میں آپ کے مشہو استاذ امام ابوزہرہؒ نے آپ سے ملاقات کے بعد اپنی مومنانہ فراست سے کیا خوب فرمایا تھا'' مجھے جب بھی تجھ سے ملاقات کا موقع ملا تو مجھے تیری ذات میں اسلام ایک آفتاب کی طرح درخشاں نظر آیا اور میں نے تجھ میں وہ اسلام دیکھا جو بکھرے دلوں کی شیرازہ بندی کرنے والا ہے'' ضیاء الامت علیہ الرحمتہ کی مبارک حیات کا لحہ لحہ اپنے ارادتمندوں کو یہ پیغام دے رہا ہے۔ کہ

بس ایک منزل ہے بوالہوس کی ہزار رستے ہیں اہل دل کے
یہی تو ہے فرق مجھ میں اس میں گزر گیا میں ٹھہر گیا وہ

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

کی مشہور زمانہ و مایہ ناز کتب

فکر امروز

روح تصوف

روح انقلاب

وحدت ملی

قلم برداشتہ

رشک زمانہ لوگ